11۔ قطعات

مرزا محمود سرحدی (۱۹۱۳ء۔۱۹۶۷ء)

تعارف: مرزا محمود سرحدی کا اصل نام عبداللطیف اور تخلص محمود تھا۔ آپ مردان میں ۱۹۱۳ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے رعایت لفظی سے بڑی قدر فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کا فن ''قطعہ'' میں زیادہ کھل کر آتا ہے۔ ان کا طنز اتنا شدید ہے کہ محمود سرحدی کو سرحد کا اکبرالہ آبادی شمار کیا گیا۔ اپنے اشعار میں سیاسی اور سماجی مسائل کو بیان کیا، لیکن بیان کا انداز قدرے سخت ہے۔ بہت سی اصناف ادب میں طبع آزمائی کی۔ پہلا شعری مجموعہ ''سنگینیں'' اور دوسرا ''اندیشہ شہر'' تھا۔ ۱۹۶۷ء میں وفات پائی اور پشاور میں دفن ہوئے۔

خلاصہ:

قطعہ نمبر 1 (شاعر)

ایک دانا نے نہایت اعلیٰ بات کہی کہ عنقریب تمھاری قوم تباہ ہو جائے گی، وجہ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ تمھاری قوم میں شاعروں کی کثرت ہوگئی ہے اور برے شاعروں کی افراط قوم کے لیے باعثِ زوال ہوتی ہے۔

قطعہ نمبر 2 (اخباری اشتہار)

ملازمت کے حصول کے لیے اخباری اشتہارات فقط ریاکاری ہوتے ہیں چوں کہ سفارش کاروں کو یہ پہلے ہی مل جاتی ہے۔

قطعہ نمبر 3 (غفلت)

فرنگیوں کی صد سالہ غلامی کا ایسا نشہ چڑھا کہ غلامی ہماری رگوں میں رچ بس گئی ہے۔ فرنگی ساقی نے ہمیں ایسی مے نوش کرائی کہ اب ہم خود ہی ہوش میں آنا نہیں چاہتے۔

قطعہ نمبر 4 (ریڈیو)

جو لوگ آج دین سے حذر کرتے ہیں اُن کی اولاد کا دین پر قائم رہنا بہت مشکل لگتا ہے۔ اور فی الحقیقت جو لوگ دین سے ناآشنا ہیں اُن کی اولاد اُن سے بھی دو قدم آگے ہے۔ کوئی دینی پروگرام نشر ہو تو ریڈیو بند کر دیتے ہیں۔

اشعار کی تشریح

(1) شاعر

کل ایک مفکر مجھے کہتا تھا سرِ راہ — شاید تری ملت کا ہے مٹنے کا ارادہ
میں نے یہ کہا اُس سے کوئی وجہ بھی ہوگی — بولا کہ تری قوم میں شاعر ہیں زیادہ

حل لغت: مفکر: سوچ بچار کرنے والا، سمجھ دار — سرِ راہ: راستے میں — مٹنے کا ارادہ: ختم ہونے کی نیت

مفہوم: کل ایک مفکر مجھے سرِ راہ کہنے لگا کہ شاید تری قوم نے مٹنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وجہ پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ تیری قوم میں شاعروں کی کثرت ہے۔

تشریح:

مزاح کے پردے میں عبرت اور سبق دینے والے شاعر مرزا محمود سرحدی قطعات میں عبرت تقسیم کرتے اور سبق دیتے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے تشریح طلب قطعہ میں کہتے ہیں کہ کل راستے میں میری ایک مفکر سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ میرا خیال ہے کہ تیری قوم نے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اُس کی حیران کن بات سن کر میں نے ابہام اور بے یقینی کے امتزاجی جذبات سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے وجہ بتائی کہ تمھاری قوم میں شعرا کی کثرت ہوگئی ہے۔ گویا افراطِ شعرا قوم کے زوال کا سبب ہے۔

شعرا کی اہمیت سے کسے انکار ہے؟ اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ اہمیت شعرا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ شاعری چاہے اچھی ہو کہ بُری، تاثیر سے خالی نہیں ہوتی۔ قافیوں کے دل کش پیراؤں میں لپٹی ہوئی یہ باتیں بہر صورت طاقت رکھتی ہیں۔ اگر اس کے مثبت پہلو دیکھے جائیں تو انگلستان کے شاعر لارڈ بائرن نے اپنے زورِ شاعری سے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا تھا۔ قرونِ وسطیٰ کے عظیم شاعر عمر خیام کے اشعار صدیوں تک جنگوں میں تخلیق جذبات کے لیے استعمال ہوتے رہے۔ کنگ ایڈورڈ کے حملۂ ویلز میں شکست کے اولیں محرک مخالف شعرا تھے۔ ایران کے بادشاہ دارا کا لشکر سکندر سے کبھی شکست نہ کھاتا اگر چاند گرہن کو دیکھ کر اُس کے شعرا لشکر کو مایوس نہ کردیتے۔ اٹھارویں صدی کا مشہور فرانسیسی انقلاب جس نے فرانس کا پانسہ پلٹ دیا تھا، کے پیچھے طلبا اور شعرا کا ہاتھ تھا۔ بقول شاعر:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے ۔۔۔ پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

یہ ہے قوتِ شعر اور طاقت اشعار کی چند جھلکیاں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ شاعر نے طنز و مزاح کی زبان استعمال کرتے ہوئے تمام شعرا پر چوٹ کی ہے، صریح زیادتی اور مبنی مبالغہ ہوگی۔ شاعر نے ایسے شعرا کو طنز کا نشانہ بنایا ہے جو جھوٹی اور مبالغہ آمیزی پر مبنی شاعری کو ہوا دیتے ہیں۔ دراصل وہ شاعری جو خلافِ فطرت ہو اور غلط جذبات و خیالات کی ترجمان ہو جو آہ و زاری، اضطراب اور بے قراری سے عبارت ہو، جس میں مبالغہ آمیز بے سروپا باتیں اشعار کے سانچے میں سمو دی جائیں، جو لایعنی باتوں پر مشتمل ہوں، اس طرح کی شاعری معاشرے کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ معاشرے کو زوال کی اتھاہ گہرائیوں میں لے جانے کا سبب ہوتی ہے۔ ایسے شعرا ملک و ملت کی تباہی کی صفوں کے امام ہوتے ہیں۔ یہ شعرا گمراہی اور تباہی کا ذریعہ بنتے ہیں اور ایسے اشعار انسان کو تن آسان اور کاہل بنادیتے ہیں اور یہی اشعار باعث زوالِ قوم ہوتے ہیں۔ بقول شاعر:

ان برے اشعار کا یہ ہے اثر ۔۔۔ قوم بربادی کے نزدیک آگئی

ایسی ہی شاعری نے بارہا سلطنتوں کو تاراج کیا ہے۔ آخری ایرانی کسریٰ یزدگرد کے دربار میں مبالغہ آمیز شعرا کی کثرت تھی۔ گمراہ کن قصائد نے آخری عباسی خلیفہ معتصم باللہ کی اخلاقی اقدار تباہ کیں اور وہ ان اشعار سے اتنا عیاش ہوگیا تھا کہ بقول نصیر الدین طوسی ''ہمہ وقت سفال شراب'' تھا۔ ایسے ہی شعرا کے متعلق قرآن نے کہا۔

ترجمہ: اور شعرا کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔

ایسی شاعری کی اسلام نے سخت مذمت اور مخالفت کی ہے۔ بقول حالی:

گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے ۔۔۔ جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

چناں چہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

''اگر کسی کا جسم پیپ سے بھر جائے تو اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ شعر سے پُر ہو''

ایسے ہی گمراہ کن شعرا کے متعلق شاعر نے کہا ہے کہ وہ قوم کو پستی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ بعض شعرا کائنات تخیل کے مکین ہوتے ہیں۔ ہوائی قلعے تعمیر کرتے ہیں۔ ریت کے بے بنیاد گھروندے تعمیر کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ محبوب کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے نظر آتے ہیں۔ اور بعض شعرا نے طائر سدرہ یعنی جبرائیل کو بھی محبوب کی زد میں لا کھڑا کیا۔

بقول میر تقی میر:

اُس کی مژگاں کے ایک ناوک نے
طائرِ سدرہ تک شکار کیا

اس طرح کی شاعری قوم کو جسمانی و ذہنی طاقت سے محروم کرتی ہے۔ انھیں کام چور اور لاغر بنا دیتی ہے اور آخر کار قوم کو اپنے ہی ہاتھوں تباہ کر دیتی ہے۔ لیکن اچھی، اعلیٰ اور فطری شاعری قوم کے لیے بہت مفید ہوتی ہے۔ ایسی شاعری قوم کی فلاح و بہبود کا باعث ہوتی ہے۔ اور اقوام کو بامِ عروج اور اوجِ ثریا تک پہنچانے کی اہل ہوتی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

شاعرِ دل نواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اُس کے فیض سے مزرعِ زندگی ہری

یاد رہے کہ اسلام نے صرف بُرے شعرا اور باطل اشعار کی مذمت کی ہے لیکن ایسے اشعار جو حمدیہ و نعتیہ ہوں، صحابہ و صلحا کی معرفت کے بیان میں ہوں اور حکمت و موعظت سے معمور ہوں وہ اشعار مفید ملت ہیں اور ''جہاد بالقلم'' کے زمرے میں آتے ہیں۔ چناں چہ حدیث شریف ہے۔

''بعض شعر حکمت سے پُر ہوتے ہیں'' (الحدیث)

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ بھی شعر کہتے تھے۔ مزید برآں حضرت حسانؓ کے نعتیہ اشعار حضورﷺ نے پسند فرمائے۔

(2) اخباری اشتہار (ملتان بورڈ 2013ء)

نوکری کے لیے اخبار کے اعلان نہ پڑھ
جان پہچان کی باتیں ہیں، کہا مان، نہ پڑھ
جن کو ملنی ہو، انھیں پہلے ہی مل جاتی ہے
بس دکھاوے ہی کے ہوتے ہیں یہ فرمان نہ پڑھ

حل لغت: اعلان: اشتہارات — جان پہچان: واقفیت، تعلق، اثر و رسوخ — دکھاوے: نمائش کے لیے — فرمان: حکم نامہ

مفہوم: شاعر نوکری کے متلاشی نوجوانوں کو جو اخبار چھانتے ہیں کہتا ہے کہ اخبار کا مطالعہ برائے حصول ملازمت وقت کا ضیاع ہے۔ کیوں کہ یہ تو صرف دکھاوے کے اشتہار ہیں ملازمت سفارشیوں کو پہلے ہی مل جاتی ہے۔

تشریح:

تشریح طلب قطعہ میں شاعر نے ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ایک اور غلط روش کی نشاندہی کی ہے۔ مزاح نگار کا یہ کمال ہوتا ہے کہ وہ قوم کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھتا ہے اور بیماری کی نشاندہی کے لیے قلم سے وہی کام لیتا ہے جو ڈاکٹر اپنے نشتر سے۔ جس طرح ڈاکٹر چیر پھاڑ کے ذریعے موادِ فاسد نکالتا ہے اسی طرح شاعر بھی طنز و مزاح سے غلط اقدار کے قلع قمع کے لیے کوشاں رہتا ہے۔

دراصل یہ ایک قومی المیہ ہے کہ آج جہاں ہر طرف ناانصافی اور بددیانتی کا بازار گرم ہے وہاں ملازمت اور حصول نوکری جیسا شعبہ دیگر شعبوں سے کہیں زیادہ متاثر ہے۔ ہمارے ملک میں گنتی کے دو تین خاندان تقریباً پینسٹھ برس سے حکومت کر رہے ہیں۔ چہرے تو تبدیل ہوتے رہتے ہیں مگر دستور و قوانین تبدیل نہیں ہوتے۔ لگتا ہے کہ سابقہ آمر کی جگہ نئے آمر نے لے لی ہے

خاص طور پر سفید پوش اور عام طبقہ ہمیشہ ناانصافی اور بے توجہی کا شکار رہا ہے۔ ہر طرف اقربا پروری، رشوت ستانی اور سفارش کا ڈنکا بج رہا ہے۔ بقول شاعر

نوکری ملتی ہے رشوت سے فقط
یہ خرابی ہر طرف ہر گام ہے

چناں چہ اِن تمام حالات کے تناظر میں شاعر تعلیم یافتہ اور اعلیٰ ڈگری کے حامل حضرات سے مخاطب ہے کہ حصولِ نوکری کے لیے آپ کو اخبار کا مطالعہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ دراصل یہ حقیقت ہے کہ آپ کوئی بھی روزنامہ اخبار اُٹھا کر دیکھ لیں شاید ہی کوئی دن ہوگا، جب ''ضرورت ہے'' یا ''آسامیاں خالی ہیں'' کے اشتہار شائع نہ ہوتے ہوں۔ اس طرح کے اشتہارات دیکھ کر نوجوان ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کا خیال دل میں لاتے ہیں۔ پھر یہ نوجوان اطلاع دینے والے محکموں کو درخواستیں اور عرضیاں بھیجتے ہیں، جن میں مطلوبہ تعلیم اور مکمل کوائف بھی ساتھ لف کر دیے جاتے ہیں۔ خدا خدا کر کے انٹرویو کا سنگلاخ میدان آتا ہے اور پھر پہلے کی طرح ناکامی کا پروانہ تھامے مایوس نوجوان گھر کی طرف واپس چل پڑتا ہے۔

نوکری کے حصول کے لیے اس طرح کے قسمت آزماؤں سے شاعر کہتا ہے کہ یہ سب فراڈ، فریب اور جھوٹ ہے۔ ''آسامیاں خالی ہیں'' اور ''ضرورت ہے'' کے تمام اشتہار فقط دکھاوے کے ہوتے ہیں تا کہ عوام الناس کی نظر میں ادارے کی ساکھ بحال رہے۔ یہ تمام اشتہار محض عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ہوتے ہیں، تا کہ وہ یہ سمجھیں کہ ان کا ادارہ انصاف کا علمبردار میریٹڈ اور کوالیفائیڈ ملازمین کے بل بوتے پر چل رہا ہے۔ تا کہ عوام اُن کی کوتاہیوں پر انگلی نہ اُٹھا سکیں اور لوگ انھیں عوام دوست سمجھیں۔ ورنہ ایسے اشتہاروں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کیوں کہ نوکری صرف ان کے لیے ہوتی ہے جن کے پاس افسروں کی جیبیں بھرنے کی صلاحیت ہو اور جو اعلیٰ عہدہ داران کو بیش بہا تحائف رشوت کی آڑ میں دینے کے متحمل ہوں۔

اگر یہ صلاحیت مفقود ہے تو پھر دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے پاس کسی بڑے آدمی کی سفارش ہو۔ بقول شاعر:

صرف محنت ہی نہیں کامیابی کے لیے
اوپر سے بھی کوئی ٹیلی فون ہونا چاہیے

اگر یہ بھی میسر نہیں تو تیسرا اور آخری طریقہ یہ ہے کہ نوکریوں کو بانٹنے والا آپ کا عزیز یا واقف کار ہو۔ اگر نوجوان تعلیم یافتہ ہے اور اِن خوبیوں میں سے کسی خوبی کا حامل بھی ہے تو سونے پر سہاگہ ورنہ اہلیت نہ بھی ہو تو مندرجہ بالا حربوں سے کام چل سکتا ہے۔

چناں چہ شاعر کہتا ہے کہ اگر آپ مندرجہ بالا ذرائع اختیار کر سکتے ہیں تو اشتہاروں کی اشاعت سے قبل بھی آپ کو نوکری مل سکتی ہے اور یہ اشتہار تو فقط دکھاوے کے ہیں۔ دراصل رشوت دینے والوں اور سفارشیوں کو نوکریاں پہلے ہی مل چکی ہوتی ہیں۔ جب ملک میں اس طرح کی حالت ہو تو کئی نقصان ہوتے ہیں۔ مثلاً

(i) تعلیم یافتہ اور حق داران کی حق تلفی اور ناانصافی ہوتی ہے۔

(ii) نااہل لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں۔ زیورِ تعلیم سے عاری یہ لوگ معاشرے کو زوال کی طرف رواں دواں کر دیتے ہیں۔ حالاں کہ ملک کے انتظام کے لیے ان سے بہتر لوگ موجود ہوتے ہیں

اُونچے پیڑوں کا ثمر اس دور میں اس کو ملا
قد و قامت میں جو خاطرؔ مجھ سے کچھ اونچا نہ تھا

(iii) معاشرے میں بے روزگاری جنم لیتی ہے اور ملک میں ہر طرف غربت اور بے روزگاری کی حوصلہ شکن فضا پھیل جاتی ہے۔ یہی حال ہمارے ملک کا ہوا ہے۔

(iv) تعلیم یافتہ غربا اور جاہل عہدہ داران کے درمیان نفرت کی خلیج روز بروز گہری ہوتی چلی جا رہی ہے جو کسی بھی وقت ایک شعلے کی طرح پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔

(v) ناانصافی، بددیانتی، رشوت ستانی، سود خوری، سفارش، بے روزگاری اور حقوق کی ڈاکہ زنی سے متاثر ہو کر یہ نوجوان کلاشنکوف اُٹھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

چناں چہ ایسے نوجوان قطعی مایوس ہوتے ہیں۔ والدین واعزہ کے اصرار پر وہ درخواست تو بھیج دیتے ہیں لیکن یہ خیال

پہلے ہی سے اُن کے دل میں ہوتا ہے کہ:

ہم کو شاہوں سے عدالت کی توقع تو نہیں — آپ کہتے ہیں تو زنجیر ہلا دیتے ہیں

(3) غفلت

اے ساقیِ گل فام بُرا ہو ترا تُو نے — باتوں میں لبھا کر ہمیں وہ جام پلایا
یہ حال ہے سو سال غلامی میں بسر کی — اور ہوش ہمیں اب بھی مکمل نہیں آیا

(گوجرانوالہ 2010)

حل لغت: ساقی: شراب پلانے والا — گلفام: پھول جیسا مراد خوبصورت
جام: ساغر، شراب کا پیالہ — ہوش: حواس کی بحالی — بسر کرنا: گزارنا

مفہوم: اے خوب رو ساقی! تو نے ہمیں محوِ گفتگو کر کے ایسا جام نوش کرا دیا کہ سو برس کی طویل مدت کے گزر جانے کے باوجود تا حال مکمل حواس بحال نہیں ہوئے اور سلسلۂ غلامی ہنوز جاری ہے۔

تشریح:

شاعر ساقیِ گل فام یعنی انگریزوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے حسن و جمال کے مالک، گل بدن ساقی تم نے ہمیں اپنی چکنی چپڑی باتوں، مکر و فریب اور دغابازی سے ایسا جامِ شراب پلا دیا ہے کہ یوں لگتا ہے کہ ہم تیرے ابدی غلام بن گئے ہیں اور سو برس کی طویل مدت گزر جانے کے باوجود تا حال ہمارے ہوش و حواس مکمل طور پر بحال نہیں ہوئے۔ یعنی سلسلۂ غلامی ہنوز جاری و ساری ہے اور اس مغربی مسحور کن مگر کھوکھلی تہذیب نے نوجوانانِ مسلم کا دیوالیہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ بقولِ علامہ محمد اقبالؒ:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ مغرب کی — یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

برصغیر میں اپنے سو سالہ دورِ حکومت میں انگریزوں نے مسلم اقدار کا گلا گھونٹنے کی بھرپور کوشش کی۔ چوں کہ برصغیر میں مسلمانوں نے ایک ہزار سال حکومت کی تھی۔ اس لیے انگریز مسلمانوں کو اپنا اصل سیاسی حریف سمجھتے تھے۔ چناں چہ انھوں نے مسلمانوں کو ذہنی غلام بنانے کی کوشش کی اور مسلمانوں کے دین، اقدار، تعلیم، تہذیب و تمدن کو مغربی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی اور مغربی سانچے میں ڈھالنے کے لیے تمام حربوں سے کام لیا۔ ایسا تعلیمی نظام دیا جس کا صریح مقصد غلامانہ اذہان کی پیداوار تھا۔ یہ ایسی تعلیم تھی کہ برصغیر کے متحد اور درد آشنا لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے۔

ہندو مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے خواب دیکھنے لگے۔ افغان اور مغلوں میں ٹھن گئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں پنجاب خونِ مسلم سے سیراب ہوتا رہا۔ اس تعلیم نے اذہان کی کایا پلٹ دی۔ نفرت و حقارت کے جذبے استوار ہوئے۔ ہمارا مسلم معاشرہ اسلامی تہذیب و ثقافت سے کوسوں دور چلا گیا۔ یاد رہے کہ جسمانی غلامی سے ذہنی غلامی صد ہزار گنا بدتر ہوتی ہے۔ جسمانی غلامی سے چھٹکارا پانا تو آسان ہوتا ہے جب کہ ایک مرتبہ جو شخص ذہنی غلام بن جائے، بہت مشکل ہے کہ پھر وہ اس غلامی سے نجات حاصل کر سکے۔

لیکن اس سے بھی بڑا المیہ یہ ہے کہ مسلمان 14۔ اگست 1947ء کو جسمانی طور پر آزاد تو ہو گئے مگر شومیِ قسمت کہ پینسٹھ (65) برس گزر گئے لیکن تا حال ذہنی اور تہذیبی لحاظ سے مغرب کے غلام ہیں۔ ہمارا طرزِ رہن سہن، لباس، وضع قطع، الفاظ و اقدار، تخیل، جذبات و احساسات سب کچھ مغرب سے ادھار لے رکھا ہے اور تمام معاملات میں مغرب کے دستِ نگر ہیں۔ دولت کا معاملہ ہو تو ہمارے حکمران کشکول اٹھائے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے سامنے منت و سماجت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ حقیقت میں ہم نے مغربی تہذیب کے عوض دینِ اسلام کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ جو کہ سراسر مسلمانوں کے لیے وبال ہے۔

بقول علامہ محمد اقبالؒ:

؎ دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

مسلمانوں کو چاہیے کہ اقبال کی اس نصیحت پر عمل پیرا ہوں کہ:

؎ اپنی ملت پہ قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

کسی قوم کو ذہنی طور پر غلام بنانے کا سب سے بڑا حربہ تعلیم ہوتا ہے۔ تعلیم ایک ایسا عنصر ہے جس سے کایا پلٹ سکتی ہے۔ آج مسلمانوں کے ذہنی طور پر غلام ہونے کی بڑی وجہ مغربی تعلیم کا نفاذ ہے۔ آج ہمارا نظامِ تعلیم مفلوج ہے۔ تعلیم کا بنیادی ڈھانچہ وہی ہے جو ایک تنگ نظر اور متعصب انگریز لارڈ میکالے کا تھا۔ جس نے برصغیر آ کر کہا تھا کہ:

"مجھے ایسا نظامِ تعلیم تشکیل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے جس کا مقصد کلرکوں کی پیداوار ہے۔ یہ نظام ایسے لوگوں کا مطالبہ کرتا ہے کہ جن کے اجسام ہندوستانی مگر اذہان انگریزی ہوں"۔

اور پھر اس نظامِ تعلیم کا اثر ہمارے سامنے ہے۔ وہی بدترین غلامی ابھی تک جاری ہے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی کہ بغیر سوچے سمجھے اندھا دھند اس کھوکھلی تہذیب کی تقلید میں مگن ہیں۔ مسلمانوں کا تو بقول ضمیر جعفری یہ حال ہو گیا ہے:

؎ کھائے بغیر تو نہیں گزارا ہے کوئی دن
سوچے بغیر کتنے زمانے گزر گئے

(4) ریڈیو

جن کو انگریز کا قانون ہو ازبر اُن سے
اور سب پوچھ مگر شرع کے احکام نہ پوچھ
ریڈیو میں بھی جو قرآں کی تلاوت نہ سنیں
اُن مسلمانوں کی اولاد کا اسلام نہ پوچھ

(ملتان بورڈ 2009)

حلِ لغت: ازبر: زبانی یاد ہونا   شرع: دینِ اسلام کے احکامات   احکام: فرامین

مفہوم: عصرِ حاضر کے مسلمان اسلام سے ناآشنا ہیں۔ اگر اتفاقی طور پر ریڈیو پر تلاوت شروع ہو جائے تو یہ نام نہاد مسلمان سننا گوارا نہیں کرتے۔

تشریح:

اس قطعے میں انگریزی قانون اور انگریزی تہذیب کے تناظر میں عصرِ حاضر کے نام نہاد مسلمانوں پر طنز و غصے کے ملے جلے جذبات سے زبردست چوٹ کی گئی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جنھیں قوانینِ فرنگ کی اک اک شق یاد ہو، اُن سے اسلام کے متعلق سوال کرنا خود شرمندہ ہونے کے مترادف ہے۔ جنھیں تثلیث کے قواعد حفظ ہوں اُن سے "الموحدین" کے قواعد پوچھنا بے کار ہیں کیوں کہ آج ہر طرف "مسلم پن" ناپید ہے۔ بقول اکبرالہ آبادی:

؎ قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاءاللہ
مگر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

انگریزی سکولوں سے فارغ التحصیل اور انگریزی نصاب کے دل دادہ یہ حضرات اسلام کے لیے باعث ننگ ہیں۔ اس سے بڑا المیہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اگر اتفاقی طور پر ریڈیو یا ٹی وی کے کسی چینل پر قرآن مجید کی تلاوت شروع ہو جائے تو ان لوگوں کا منہ بگڑ جاتا ہے اور فوراً ریڈیو بند کر دیتے ہیں یا پھر چینل تبدیل کر لیتے ہیں۔ حالات کی اتنی کایا پلٹ گئی ہے کہ مسلمانوں کے مشاہیر خالد بن ولید، مثنیٰ بن حارثہ، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد اور صلاح الدین ایوبی ان کے آئیڈیل نہیں ہیں، بلکہ اب ان کے آئیڈیل بھارتی اور ہالی ووڈ کے ہیرو ہیں اور ان کی نقالی کر کے فخر محسوس کرتے ہیں۔ تلاوت و اذان کی بجائے ہندوستانی اور مغربی گیتوں

شیدائی ہیں۔ بقول اکبر الہ آبادی:

واہ کیا جوش ترقی ہے مسلمانوں میں
چھوڑ کر مسجدیں جا بیٹھے ہیں مے خانوں میں

یہ تمام نتائج انگریزی تعلیم و تہذیب کے اختیار کرنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان مسلمانوں کو ہوشیاری اور چالاکی سے دوسروں کو مات دینا تو آتا ہے۔ راتوں رات امیر سے امیر تر بننا، غرض سب کچھ آتا ہے لیکن اسلامی تعلیمات کے متعلق اگر ان لوگوں سے پوچھ لیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا سانپ سونگھ گیا ہو۔ اسلام فقط نام کا رہ گیا ہے۔ ورنہ فرنگیت ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی ہے۔

وہ مسلمان تھے مگر ان کا اسلام
اک فقط چیز ہے دکھلاوے کی

کالج میں خاص طور پر طلبا پر مغربی تعلیم لاگو کی جاتی ہے۔ مغربی خود تو دین و مذہب سے بے بہرہ ہیں۔ سیکولرازم اور اشتراکیت جیسی تحریکوں کی آڑ میں مسلم دنیا کو دین سے دور کیا جاتا ہے۔ آزاد خیالی کی فضا قائم کر کے مسلمانوں کی رگوں سے اسلامی خون چوسا جا رہا ہے۔ الغرض اسلام سے ناواقفیت میں کالج کا عنصر بھی ہے۔ بقول اکبر الہٰ آبادی:

نظر اُن کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا لیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

دراصل شاعر مسلمانوں کی ہزار خامیوں سے بڑھ کر ایک خامی یہ بیان کر رہا ہے کہ آج کے مسلمان قرآن و حدیث کی تعلیمات سے غافل ہیں۔ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ صرف کہنے کو یہ لوگ مسلمان ہیں ورنہ حقیقت میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں سے ان کا دور دور تک کا بھی تعلق نہیں ہے۔ طرزِ معاشرت، طرزِ حکومت، رہن سہن، لباس، زبان، وضع قطع اسلام کے مطابق نہیں ہے بلکہ کفار کے مطابق ہے۔ یہ لوگ قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہو رہے۔ جس کی وجہ سے گمراہی کا شکار ہیں اور شرعی قوانین سے بھی ناواقف ہیں۔ آج قرآن پاک بے کواڑ کی الماریوں میں مقفل ہے۔ پڑھنا تو درکنار یہ لوگ قرآن سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

انسان کی پہلی درس گاہ ماں کی آغوش ہے۔ لیکن آج آغوشِ مادر سے بھی نومولود مسلمان کو فرنگیت کی ترغیب ملتی ہے اور اس کے سامنے ٹی وی کی جھلکیاں ہوتی ہیں۔ لہٰذا اسلام سے انحراف ان تمام امور کا لازمی نتیجہ ہے۔ لیکن یاد رہے یہ اسلام سے دوری مسلمانوں کے لیے زہرِ قاتل ہے اور دنیا و آخرت دونوں میں ناکامی کا باعث ہے۔ ہمارے سامنے ہزاروں مثالیں ہیں کہ اسلام سے انحراف کرنے والوں نے کبھی خیر نہ پائی۔

مشقی سوالات

سوال 1 محمود سرحدی کے قطعات مدِ نظر رکھ کر مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

(i) شاعر نے ملت کے مٹنے کی کیا وجہ بیان کی ہے؟

جواب شاعر نے ملت کی مٹنے کی وجہ شاعروں کی بہتات بتائی ہے۔

(ii) ساقیء گل فام سے کیا مراد ہے؟

جواب ساقیء گلفام سے مراد انگریز ہیں۔

(iii) ''قطعہ غفلت'' میں ہماری کس خاص حالت کا ذکر کیا گیا؟

جواب قطعہ غفلت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انگریزوں کی صد سالہ غلامی کے باوجود ہم نے ہوش کے ناخن نہیں لیے جس کی وجہ سے ذہنی اور تہذیبی غلامی کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

(iv) آپ کو کون سا قطعہ پسند آیا اور کیوں؟

جواب طلبا خود کریں۔